دلگداز

۱۹/۲

نمبر ۲ - ماہ صفر ۱۳۳۶ ہجری مطابق ماہ نومبر ۱۹۱۷ عیسوی جلد

مرتبہ

خاکسار محمد عبد الحلیم شرر مالک و اڈیٹر دلگداز

سعید الاسلام پریس میں چھپکر

ایک عظیم الشان ہندو سلطنت

اور

اُسکا دارالحکومت

اگرچہ علاءالدین خلجی کی قسمت، نوجوان اور اُسکے خوش تدبیر جنرل ملک کافور کو دکن کے فتح کرنے مین زیادہ دقت نہین ہوئی۔ اور تھوڑے ہی عرصہ مین دکن سلطنت اسلامیہ کا ایک صوبہ ہوگیا اور قدیم ہندو سلطنتین جنکی عظیم الشان یادگارین اس وقت تک موجود ہین تباہ و برباد ہوگئین۔ لیکن جب محمد تغلق کے مجنونانہ ظلم کی وجہ سے رعایا مین عام طور پر بد دلی پھیل گئی تو اُن قدیم ہندو سلطنتون کی خاک سے ایک نئی سلطنت جنوبی و غربی ہندوستان مین اُٹھ کھڑی ہوئی۔ جو صدیون تک ہندو تہذیب و شائستگی کا مرکز رہی۔ بکا رایا اور ہری ہر نے سری مہادویا راینا کی رہبری سے جو اُس باعظمت مصلح قوم و ملت سری شنکر اچاری کے گیارھوین خلیفہ یا جانشین تھے۔ ایک نئے شہر کی ۱۳۳۶ء مین بنا ڈالی۔ اور اُس کا نام اپنے پیشوا کے نام پر ودیا نگر رکھا جو فارسی مین بگڑ کر بیجانگر ہوگیا۔

اگرچہ ہندوؤن کی معمولی نفس کشی اور دنیاوی لاپروائی کی بدولت دوسرے ممالک ہند کی طرح اس خطہ کی بھی کوئی تاریخ موجود نہین ہے اور نہ معلوم ہوتا ہی کہ کسی ہندو مصنف نے اس طرف توجہ کی لیکن بعض مسلمانون اور پرتگیزی سیاحون کے سفرنامون مین بیجانگر اور اُسکے فرمانروا اُن کی عظمت اور جبروت کی تصویرین محفوظ ہین۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا مین کچھ تو سری مہادویا راینا کے عالمگیر اثر اور کچھ زمانہ کی عام پریشانی کی وجہ سے سلطنت بیجانگر نے بہت تیز رفتار ترقی کی اور قیام سلطنت کے چھ برس بعد جب مشہور مسلمان سیاح ابن بطوطہ ساحل کنارا پر ۱۳۴۲ء مین وارد ہوا تو اس سلطنت نے یہان تک ترقی کی تھی کہ مقام ہناور (جسکو اب ہونر کہتے ہین) کا مسلمان امیر جمال الدین ہری ہر (اسکا نام ابن بطوطہ نے ہریاب لکھا ہی غالباً اس وجہ سے کہ ہری کو ہریاب بھی کہتے تھے) کا تابع تھا۔ سلطنت بیجانگر دو صدی تک دکن کی اسلامی طوائف الملوکی کا مقابلہ کرتی اور ہندو تہذیب و شائستگی کا

مانع رہی۔ اور گو فتح مندی کے ساتھ شکست کی صورت بھی دیکھنی پڑتی تھی لیکن بحیثیت مجموعی اہالی بیجانگر کو اپنی قسمت کی شکایت کا زیادہ موقع نہ تھا اور بھاری سی بھاری شکست کے بعد بھی وہان کے راجہ بہت جلد اپنی اصلی قوت حاصل کر لیتے تھے۔

بیجانگر دریاے تنگابھدرا کے جنوبی کنارہ پر چند پہاڑیون کی چوٹی پر واقع تھا اور خشک چٹانیون جنکی بلندی ایک سو سے لیکر ایک ہزار فیٹ تک تھی تین طرف سے اسکو اپنی آغوش محبت مین لیے ہوے تھین اور جہان انھون نے کوتاہی کی تھی وہان انسانی جفاکشی نے سنگین فصیلین بنادی تھین اور جس طرف پہاڑیان نہ تھین اس طرف ایک تالاب بنایا گیا تھا جس کا بند یا دکھنی زبان مین کٹّہ طول مین ایک میل تھا غرضکہ شہر کے چارطرف مضبوط فصیل تھی جس کی حفاظت کے لیے ایک عمیق خندق موجود تھی جو بہت آسانی سے تالاب کے پانی سے بھری جاسکتی تھی[1]

عبد الرزاق سفیر سلطان ابو سعید نے جو شہر کے آباد ہونے کے قریباً ایک سو برس بعد وارد ہوا مطلع السعدین و مجمع البحرین مین لکھا ہے کہ یہ شہر ایسا عظیم الشان ہے کہ نہ آنکھ نے دیکھا اور نہ کانون نے سنا[2] اُس کا بیان ہے کہ شہر کی سات فصیلین یکے بعد دیگرے تھین لیکن یہ صحیح نہین ہے کیونکہ اس وقت صرف ایک بیرونی فصیل کے نشانات موجود ہین لیکن چونکہ شہر کے مختلف حصون کی علیحدہ علیحدہ قلعہ بندی ہوئی تھی اس وجہ سے غالباً عبد الرزاق کو سات فصیلون کا دھوکہ ہوا۔ بیرونی فصیل کے متصل اندر کی طرف ایک پشتہ پچاس گز چوڑا اور قد آدم اونچا تھا جس کی وجہ سے قلعہ کا استحکام اور بھی بڑھ گیا تھا۔ پہلے تین قلعون کے اندر مکانات کے علاوہ باغات تھے اور زراعت بھی ہوتی تھی۔ باقی قلعون مین مکانات اور بازار تھے۔ اور ساتوین قلعہ مین جو بیچ مین تھا محل شاہی تھا۔ شہر کی وسعت کا اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ جنوبی سے شمالی دروازہ تک دو فرسنگ کا فاصلہ تھا

[1] گریبل تاریخ دکن و گریبر کنارا۔

[2] الیٹ کی تاریخ ہندوستان جلد ۴ ترجمہ مطلع السعدین۔ مسٹر ڈولس نے بیان کیا ہے کہ صاحب تاریخ روضۃ الصفا نے عبد الرزاق کی سفارت کا ذکر نہین کیا گو صحیح ہے لیکن روضۃ الصفا کی آخر مین بیجانگر کے حالات بجنسہ مطلع السعدین سے نقل کر کے درج کیے گئے ہین

اسی قدر فاصلہ مشرقی سے مغربی دروازہ تک تھا۔ بازار کشادہ اور دو رویہ دور تک
چلے گئے تھے اور ہر پیشہ کے لوگون کا بازار علحدہ تھا۔ اور دوکانین نہایت سلیقہ سے
لگائی جاتی تھی۔ راست کی محلسرا کے پاس ایک چوک تھا اور ہر بازار کے سرے پر
ایک خوبصورت کمان اور خوش قطع چھتے بنے ہوے تھے۔ گل فروشوں کی
دوکانین بہت کثرت سے تھین۔ اور ہر گل فروش اپنی دوکان
اونچی بنا ہوا رکھتا تھا اور خوشبودار تازہ پھول اس کثرت
معلوم ہوتا تھا بغیر انکے سونگھے لوگون کی زندگی محال ہے
جوہری بازار مین رنگ رنگ کے جواہرات بہا
جوہری بے خوف وہراس اپنے مال ومتاع کو کھولے
کی دوکانون پر ہیرون شفاف بہترین مصفا پتھرون کی نائیوا
محل سرا شمال کی طرف تھی اور بلندی اور شان وشوکت
محل کے سیدھے ہاتھ کی طرف دیوان خانہ یا وزیر کا دفتر تھا
ستونوں کی کثرت سے چہل ستون معلوم ہوتا تھا اور ا
گیدی تھی جس کی کرسی قد آدم اور طول تیس گز اور عرض
رہتا تھا اور اہل دفتر اپنا کام کرتے تھے۔ دیوان خانہ کے
تھا جس پر ایک خواجہ سرا جس کا لقب وناک تھا تنہا بیٹھا
دونون طرف عصابردار صف باندھے کھڑے رہتے تھے
عرض معروض کرنا ہوتا تو وہ عصابردارون کی صفون مین ہو
اور کچھ نذر رکھکر سجدہ کرتا تھا اور پھر کھڑے ہوکر حرف مدعا زبان
معاملات مین ضروری تحقیقات کے بعد وناک جو اس ملک کے
مطابق احکام جاری کرتا تھا اور اسکے بعد کسی کی مجال نہین ہوتی
کرتا۔ دربار کے برخاست ہونے کے بعد وناک محل شاہی کو جا
چھتر اس کے آگے آگے رہتے تھے اور ترم بجاتے اور چوبدار سنا
تھے۔ وناک کو دربار خاص تک پہنچنے مین سات دروازوں
اور ہر دروازہ کے پاس داب شاہی کے لحاظ سے ایک چھتر جلوس کے ساتھ

چھوڑنا پڑتا تھا۔ یہان تک کہ جب راے کی حضوری مین پہنچتا تھا تو تنہا ہوتا تھا اور تھوڑی دیر تک کاروبار سلطنت مین مشورہ دینے کے بعد اپنے محل کو جو محل سراے شاہی کی پشت پر واقع تھا واپس جاتا تھا۔

محل سرائے شاہی کے بائین ہاتھ کی طرف دار الضرب تھا جہان تین قسم کے سونے کے سکے تیار ہوتے تھے۔ ایک سکہ کا نام وراہا تھا جس کا وزن قریباً ایک مثقال اور قیمت مین دو قبطی دینارون کے مساوی ہوتا تھا۔ دوسری قسم کے سکے کا نام پرتاب تھا جس کا وزن نصف مثقال ہوتا تھا اور تیسرے کا نام فنم تھا جو پرتاب کے دسوین حصہ کے برابر ہوتا تھا۔ فنم سب سے زیادہ چلن تھا۔ خاص چاندی کا سکہ صرف ایک قسم کا ہوتا تھا جس کا نام تار تھا۔ اور یہ باعتبار قیمت کے چھ تار ایک فنم کے مساوی ہوتے تھے اور ثلث تار کے برابر ایک مسی سکہ تھا جسے جیتل کہتے تھے[1]۔ اس ملک مین یہ عام رواج تھا کہ تمام مداخل دار الضرب مین داخل ہوتے تھے اور مخارج کی ادائی مین وہین سے عمل مین آتی تھی۔

دیوان خانہ کے مقابل فیل خانہ تھا۔ اگرچہ مشہور تھا کہ بادشاہ کے ایک ہزار ہاتھی ہین لیکن یہان صرف خاصے کے ہاتھی رہتے تھے۔ فیل خانہ مین ایک سفید ہاتھی بھی تھا۔ لیکن وہ درصل بالکل سفید نہ تھا بلکہ اُس کے جسم پر تیس چالیس دھبے تھے ہر روز صبح کے وقت یہ ہاتھی راے کے سامنے لایا جاتا تھا کیونکہ بیدار ہوتے ہی اُس پر نگاہ پڑنا بہت ہی نیک شگون سمجھا جاتا تھا۔ دن مین دو دفعہ ہاتھیون کو راتب کھلایا جاتا تھا۔ راتب کو پکا کر دیگ ہاتھی کے سامنے الٹ دیتے تھے اور نمک اور شکر ملانے کے بعد وہ دومن کے گلے رکھدیتے تھے۔ اگر ان مین سے کوئی چیز بھی رہ جاتی تھی تو ہاتھی فیلبان کو مار ڈالتا تھا اور راے بھی سخت سزا دیتا تھا۔ ہاتھیون کے تھان جدا جدا تھے اور انکی دیوارین نہایت مضبوط اور بلند تھین اور اُن پر موٹے موٹے تختون سے خاتم بندی ہوتی تھی۔ ہاتھیون کی گردن اور پشت کی زنجیرین چھت کی شہتیرون مین

[1] آجکے حساب سے وراہا کی قیمت تقریباً دس روپیہ پرتاب کی پانچ روپیہ فنم کی آٹھ آنہ تار کی سوا آنہ اور جیتل کی تقریباً نیم آنہ ہوتی ہے۔

بندھی رہتی تھین اور اگلے پانوون مین بھی زنجیرین باندھی جاتی تھین۔
دار الضرب کی پشت پر ایک خوبصورت بازار تھا جو تین سو گز طول اور ۲۰ گز عرض مین تھا۔ سڑک کے دونون طرف خوش قطع مکانات بنے تھے جن کے سامنے مختصر چمن تھے۔ چمن مین بجائے کرسیون کے پتھر کی چبوترے بنے ہوے تھے اور وہان شیرون اور چیتون اور دوسرے جانورون کی خوشنما مورتین رکھی ہوئی تھین جو زندہ معلوم ہوتی تھین۔ پھر ان مکانات کے دروازون کے سامنے جو بہت خوش قطع تھے کرسیان یا تخت بچھا دیتے تھے جن پر رام جنیان عجب نازو انداز اور تزک و احتشام سے مرصع لباس پہنے زیور و جواہر مین سرتاپا غرق بیٹھتی تھین۔ وہ عموماً بہت کم سن اور حسین ہوتی تھین۔ اور ان کے سامنے دو دو تین تین خواصین کھڑی رہتی تھین جو لوگون کو کشادہ پیشانی سے عیش و طرب کی دعوت دیتی تھین۔ ہر شخص جس کو چاہتا تھا پسند کر لیتا تھا اور خرابات مین حفاظت کا ایسا بندوبست تھا کہ ممکن نہین کہ کوئی چیز چوری جائے ورنہ وہان کے محافظ موقوف کر دیے جائے۔ شہر مین صرف ایک ہی خرابات نہ تھا بلکہ متعدد چکلے تھے اور ان کی روزانہ آمدنی بارہ ہزار فنم ہوئی تھی۔
دار الضرب کے مقابل کوتوالی کی کچہری تھی جس مین بارہ ہزار جوان ملازم تھے اور ان کی تنخواہ اس رقم سے ادا ہوتی تھی جو خرابات کے محصول سے وصول ہوتی تھی۔ ان لوگون کا کام تھا کہ جس قدر وارداتین اور اتفاقی حادثے تمام شہر مین ہون ان سے باخبر رہین۔ اور اگر کوئی چیز گم ہو جائے یا چوری جائے تو اس کو سراغ لگا کے پیدا کرین۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ عبد الرزاق کے ایک ہمراہی چند غلام بھاگ گئے اور جب اس کی رپورٹ کوتوال شہر سے کی گئی تو اس نے اس محلہ کے باشندون کو جہان مفلس ترین لوگ رہتے تھے حکم دیا کہ یا تو ان کو پیدا کر دو یا ان کی قیمت بطور جرمانہ کے داخل کرو اور بالآخر انھین جرمانہ دینا پڑا۔
ایک پرتگیزی سیاح وڈوارٹ باربوسا نامی نے جو سنہ ۱۵۱۴ء مین بیجانگر گیا تھا؛ بیان کیا ہے کہ بیجانگر ایک بہت آباد شہر تھا اور وہان کے بازار نہایت وسیع

؎ کنار اگر یبیٹر۔

اور عمدہ تھے۔ راے کی فوج مین ہر مذہب وملت کے لوگ ملازم تھے اور ہر شخص کو اپنے
مذہب کی پابندی کی پوری آزادی تھی۔ ہر ملک و دیار کے سوداگر کاروبار تجارت مین امن
وامان کے ساتھ مشغول تھے اور حکام سب کے ساتھ انصاف و مروت کا برتاؤ کرتے
تھے۔ بیش بہا جواہر تمام دیار و امصار سے فروخت ہونیکے لیے آتے تھے۔

شاہی تزک و احتشام کی کیفیت اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ ایک محل مین متعدد محل
اور ہر محل نہایت عالیشان تھا۔ اُس کے دروازہ کے سامنے بہت سے سوار کھڑے
رہتے تھے۔ تخت سونے کا تھا جس پر بیش بہا جواہرات جڑے ہوے تھے۔ اور راجہ
کی خدمت گزاری کے لیے پانچ ہزار عورتین ملازم تھین جو ہزارون طریقے سے ناچ گاکر
راجہ کا دل بہلاتی تھین اور جب وہ ہر روز صبح کے وقت نہانے کے لیے جاتی تھین تو
راجہ دور ہی دور سے نظر بازیان کیا کرتا تھا۔ اور اگر کوئی مہ جبین پسند آجاتی تھی تو اسکو
خلوت خاص کی عزت حاصل ہوتی تھی۔ راجہ کمخواب کی ٹوپی اوڑھتا تھا اور گلے مین بڑے
بڑے موتیون کا مالا۔ اور اگر کبھی پلنگ پر جاتا تھا تو روئی دار (لمری) اور اس پر جھنجھنا
تھا جس پر اشرفیان اور بیش بہا جواہر ٹکے رہتے تھے۔ اور گھوڑے کا سامان اس
تیاری کا ہوتا تھا کہ ایک اٹیلین سیاح کا بیان ہے کہ صرف اُس کی قیمت اٹلی کے ہر
شہر سے زیادہ ہوتی تھی۔ راے کی فوج مین ایک ہزار ہاتھی بیس ہزار سوار اور ایک
لاکھ پیادہ تھے اور جب اُس کی سواری نکلتی تھی تو پانچ چھ ہزار سوار ساتھ رہتے تھے

دربار کی تصویر دکھانے کے لیے مناسب ہوگا کہ عبدالرزاق کی ملاقات کا حال درج
کیا جائے۔ وہ لکھتا ہے کہ "ایک روز چند ایلچی اُس کی طلبی مین آئے اور وہ تحفہ و تحائف
کے ساتھ حاضر دربار ہوا۔ راے بڑے تزک و احتشام سے دیوان خانہ مین تخت
سلطنت پر متمکن تھا اور بہت سے برہمن اور امرا دائین بائین خواصی مین کھڑے تھے
اُس کا لباس انبوئی اطلس کا تھا اور گلے مین خوش آب موتیون کا کنٹھا تھا۔ اس کی
رنگت گندمی جسم دبلا اور قد کسی قدر لمبا تھا۔ سن بہت ہی کم معلوم ہوتا تھا۔ اور گو سبزہ
آغاز تھا مگر داڑھی کا ابھی نام ونشان بھی نہ تھا۔ چہرہ مُہرہ بہت ہی دلفریب تھا۔
عبدالرزاق جب پیش ہوا تو آداب ومجرا بجا لاکر اُس نے پانچ گھوڑے اور دو کشتیان
پیش کین جن مین سے ایک کشتی مین نو تھان مشجر کے تھے اور دوسری مین نو تھان

گھس گئے۔ راے نہایت ہی مہربانی و خلق سے پیش آیا۔ اُس کو اپنے قریب جگہ دی اور سلطان ابو سعید کا نامہ لیکر ترجمان کے ذریعہ سے کہا کہ "مجھے شہنشاہ کے سفیر بھیجنے سے بہت ہی خوشی ہوئی" چونکہ عبدالرزاق کو گرمی کی وجہ سے سخت پسینہ آ رہا تھا اس لیے راے نے ایک قیمتی پنکھا عنایت فرمایا اور اس کے بعد ایک کشتی لائی گئی جس میں دو تھیلیاں پانوں کی تھیں اور ایک ایک تھیلی میں پانچ سو فنم تھے اور بیس مثقال کافور۔ اور یہی گویا رخصتی تھی۔ راجہ نے کیسہ زر کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ "جب کھانا بادشاہ کے یہاں سفیر جاتے ہیں تو اُن کے سامنے کھانا رکھا جاتا ہے، لیکن چونکہ ہم ساتھ کھانا نہیں کھا سکتے اس لیے یہ کیسہ زر پیش کیا گیا۔" اور سرکار سے اُس کے ناشتہ کیلیے روز دو بکرے آٹھ مرغیاں پانچ من چانول اور ایک من گھی اور ایک من شکر اور دو درہم طلائی ملتے تھے اور جب حضوری میں حاضر ہوتا تھا پہلے کی طرح کشتی عنایت ہوتی تھی

ملک کی فارغ البالی کی یہ کیفیت تھی کہ راے کے تہ خانوں میں بے انتہا دولت جمع تھی۔ اور کوئی قطعہ اراضی ایسا نہ تھا جہاں زراعت نہ ہوتی ہو اور آب رسانی کے قدرتی ذریعوں سے فائدہ اٹھا کر جا بجا ہزاروں تالاب بنائے گئے تھے جن کو دیکھکر آج بھی لوگ حیرت میں رہ جاتے ہیں اور معدنیات کے انتظام کا خاص طور پر اہتمام تھا جن سے ہر قسم کے بیش بہا جواہرات و قیمتی دھاتیں نکلتی تھیں۔ اسی وجہ سے سیاحوں کا بیان ہے کہ کوئی فرد بشر ایسا نہ تھا جو سونے کا زیور ہاتھوں اور گلے میں نہ پہنتا ہو۔

عبدالرزاق نے ایک عجیب و غریب میلہ کی کیفیت بھی لکھی ہے جو نہایت تزک و احتشام سے ہر سال ہوا کرتا تھا۔ اگرچہ عبدالرزاق نے اس میلہ کا نام رام نومی بیان کیا ہے۔ مگر فرانسیسی محقق رینا ڈ نے بتایا ہے کہ اس کا نام دراصل مہانومی تھا جو درگا پوجا کے نویں اور آخری روز ہوتا ہے۔ میلہ سے چند روز پہلے تمام ملک میں منادی ہو جاتی تھی کہ امرا و سردار بیجانگر میں جمع ہوں اور لوگ تین تین چار چار مہینہ کی راہ سے آتے تھے جس سال عبدالرزاق نے یہ میلہ دیکھا اُس سال لوگ بہت کثرت سے جمع ہوئے تھے اور ایک ہزار ہاتھی اپنے ساتھ لائے جن کی سونڈوں اور کانوں پر رنگ برنگ کی تصویریں اور نقش و نگار تھے اور اُن کے اوپر ہودے

جن مین بازیگر اور آتشباز بیٹھے ہوے تھے۔ ہر صوبہ کے امرا اور فوج کے سردار
اور فاضل برہمن اور دیو پیکر ہاتھی وقت معینہ پر ایک بڑے میدان مین جمع ہو گئے
خلائق کا اس قدر اژدحام تھا کہ روز بعث و نشر معلوم ہوتا تھا۔ اس میدان مین جا
بجا خوش قطع کوشکین بنی ہوئی تھین جو دو منزلے سے لیکر پانچ منزلے تک بلند
تھین اور اُن پر اوپر سے نیچے تک طرح طرح کے نقش و نگار تھے اور انسانون
اور حیوانون اور پرندون سے لیکر حشرات الارض مثلاً بچھرون اور کھیون تک کی
تصویرین تھین جن کے کھینچنے مین اعلی درجہ کا کمال دکھایا گیا تھا۔ ان مین سے
بعض کوشکون کی تعمیر مین ایسی صناعی سے کام لیا گیا تھا کہ ہر وقت گھومتی رہتی تھین
جس کی وجہ سے ہر لحظہ و ہر ساعت ایک نیا سمان نظر آتا اور ہر منزل اور ہر کمرہ ایک
نئی بہار دکھاتا تھا۔ میدان کے مقابل ایک عالیشان بارہ دری تھی جس کی نو منزلین
تھین جو نہایت حسن و زیبایش سے آراستہ کی گئی تھین نوین منزل پر راجہ کا تخت تھا
اور عبدالرزاق کا بیان ہے کہ ساتوین منزل پر اُسے جگہ ملی تھی اور وہان سوا ے
اُس کے دوستون کے کسی کو آنے کی اجازت نہ تھی۔ بارہ دری اور کوشکون کے مابین
ایک کھلا میدان تھا جہان رامشگر اور قصہ گو اپنا اپنا ہنر دکھاتے تھے۔ گانیوالون
مین عموماً نوجوان لڑکیان تھین جو خوبصورت لباس پہنے ہوے تھین اور اس قدر
حسین و دلفریب تھین کہ ہوش اُڑے جاتے تھے۔ وہ سب ایک پردہ کے پیچھے راجہ کے
مقابل بیٹھی تھین۔ دفعتہً پردہ دونون طرف سے ہٹا اور لڑکیون نے ایسے ہوش ربا
انداز سے ناچنا شروع کیا کہ ہوش و حواس دنگ ہو گئے۔ ادھر تو ناچ ہو رہا تھا اور
اُدھر بازیگر عجیب و غریب تماشے کر رہے تھے۔ انھون نے تین شہتیر جو آپس مین جوڑے
ہوے تھے کھڑے کیے اُن مین سے ہر شہتیر آدھ گز چوڑا اور تین چار گز لمبا تھا اور
بیچ کا شہتیر طول مین ایک گز تھا پہلے دو شہتیرون پر دو اور شہتیر رکھے جو طول و عرض
مین اُسیقدر تھے اور اُن کی چوٹی پر ایک تیسرا شہتیر رکھا جو کسیقدر چھوٹا تھا گویا کہ دو
منزلین تیار ہو گئین اور اس کے بعد ایک بڑے قوی ہیکل ہاتھی کو لاے جو پہلی منزل پر
قدم رکھکر دوسری منزل پر چڑھ گیا گو کہ اُن پر شہتیر کا عرض ہاتھی کے پانون سے بھی
کم تھا۔ مگر رفتہ رفتہ اُس نے چارون پانون اُس پر جما لیے اور جب گویون نے گانا

شروع کیا تو حرکت پر سونڈ سے تال اوڑانے لگا۔ جب یہ تماشا ہو چکا تو ایک ستون جو بلندی کی
تین دس گز تھا قائم کیا گیا اور ایک سوراخ مین جو ستون کی چوٹی پر تھا ایک شہتیر
ترازو کی ڈنڈی کی طرح ڈالا گیا۔ اُسکے ایک سرے مین ایک بڑا سا پتھر جو وزن مین
ایک ہاتھی کے برابر تھا لٹکایا گیا اور دوسرے سرے مین مضبوط رسیون مین ایک
چوڑا تختہ باندھا گیا جو ایک گز مربع تھا ہاتھی بے تکلف اس تختہ پر چڑھ گیا اور چڑھتے ہی
رسی کھولدی گئی اور یہ عجیب تماشا نظر آنے لگا کہ ایک پلڑے مین تو ہاتھی تھا اور
دوسرے پلڑے مین پتھر اور کبھی یہ پلڑہ بلند ہو جاتا تھا اور کبھی دوسرا پلڑا اور کبھی یہ کیفیت
ہوتا تھا کہ دونون سطح زمین سے کئی گز اونچے قائم ہو جاتے تھے اور وہین سے ہاتھی
کلاونتون کے گانے پر سونڈ کو ہلا ہلا کے گتین بجاتا تھا۔ تین روز تک یہ میلہ نہایت دھوم
دھام سے قائم رہا اور تیسرے روز راے نے تمام قصہ گویون بازیگرون اور
ناچنے والون کو بیش بہا خلعت اور اشرفیان عنایت فرمائین اور روانگی سے کسی قدر
پہلے عبدالرزاق کو بھی طلب کیا۔ عبدالرزاق جب حاضر دربار ہوا تو اُس نے دیکھا
کہ دیوانخانہ مین چار تخت بچھے ہوے ہین جن مین سے ہر تخت وسعت مین قریباً دس گز
مربع تھا۔ پہلے تختون کے اوپر راے کا تخت تھا جو سونے کا تھا اور نہایت ہی صناعی سے
بیش بہا جواہرات سے مرصع کیا گیا تھا اور اُس پر انبوئی اطلس کی مسند بچھی تھی جس مین موتیون کی
تین لڑون کی جھالر تھی۔ کمرہ کی دیوارون اور چھت پر سونے کے پتر طلائی کیلون سے
جڑے ہوے تھے اور اُن پر بھی جواہرات بوقلمون اپنی بہار دکھا رہے تھے۔ غرضکہ
ایسا سامان تھا کہ آنکھ کام نہ کرتی تھی اور حیرت ہوتی تھی کہ اتنی دولت کہان سے آئی
ہوگی۔ راے نے بھی بالآخر عبدالرزاق کی سفارت کے جواب مین خواجہ مسعود اور خواجہ محمد
خراسانی کو سفیر بنا کر خاقان ابوسعید کے پاس بھیجا۔

ان مختصر حالات سے ناظرین کو اس بات کے اندازہ کرنے کا موقع مل سکتا ہے کہ
سلطنت بیجانگر کیسی باعظمت وجلال تھی۔ اور اس ہندو راے کے سایۂ عاطفت مین
ہر شخص کو کامل مذہبی آزادی حاصل تھی۔ اور تجارت اور تمدن نے کس درجہ ترقی کی تھی
لیکن افسوس ہے کہ زمانہ نے ساتھ نہین دیا اور ۱۵۶۵ء مین علی عادل شاہ کی حکمت عملی نے
دکن کی پانچون مسلمان سلطنتون کو متفق کر کے تالی کوٹہ کے میدان مین رام راجہ کو شکست

دے کر قتل کیا اور بیجانگر جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔ اور گو اُس کے بعد اُس کے بھائی تمّا راج نے پھر بیجانگر کے آباد کرنے کی کوشش کی مگر کچھ نہ چلی اور در اصل رام راجہ کے ساتھ ہی اس عظیم الشان سلطنت کا خاتمہ ہوا گو کہ ممالک محروسہ سرکار نظام میں اس خاندان کے نام لیوا راجگان اناگندی اس وقت تک موجود ہیں اور اسی وجہ سے سمستان اناگندی کو با وجود کمی آمدنی و قلت املاک کے دوسرے سمستانوں پر تفوق حاصل ہے۔ دریاے تنگا بھدرا کے کنارہ پر اب بھی کئی میل تک بیجانگر کے کھنڈر چلے گئے ہیں اور وہاں کے شکستہ محل اور اُجڑے ہوے مندر آج تک اس ہندو سلطنت کی عظمت کو یاد دلاتے ہیں۔

محمد عزیز مرزا

اے خیال یار جاتا ہے کہاں؟
دو گھڑی دل تجھ سے بہلاتے ہیں ہم

اصل تو یہ ہے کہ جو دلچسپیاں عالم خیال میں ہیں وہ اس سامنے کی فضا میں نہیں جسے ہم آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ یہ بات کہاں کہ کیسی ہی مصیبت ہو۔ کیسے ہی رنج و الم میں مبتلا ہوں جہاں باغ خیال کی طرف نظر اُٹھائی دل کے جھروکے میں جھانک کے دیکھا اور دل بہل گیا۔ واقعات کا تتبع کرنے والے ہمیشہ حسرت و الم میں مبتلا رہے۔ دولت مند عشرت پسندی میں پڑ کے جامۂ انسانیت سے گزر گئے۔ بادشاہوں نے فوج کشی و ملک گیری کی دُھن میں لاکھوں کا خون بہا دیا۔ رند مشرب جنھوں نے خیال یار کو چھوڑ کے اصلی نفس پرستی کی خواہش کی بالکل گئے گزرے ہوے۔ مگر دیکھو وہ صوفی آج بھی اُسی اطمینان سے اپنے حجرہ میں سر جھکائے بیٹھا ہے۔ اور وہ جوگی اس وقت تک اُسی لاپروائی کی شان سے کسی گھاٹی میں آسن جمائے ہوے ہے۔ صوفی اور جوگی کو بھی جانے دو۔ اس لیے کہ جب وہ ہم سے نہیں ملنا چاہتے تو ہم بھی اُنھیں کیوں چھیڑیں؟ مگر اُس شاعر کو دیکھیے کہ اسی ہماری دنیا میں رہتا ہے۔ ہم سے ملتا جُلتا ہے مگر چونکہ ہماری طرح واقعات اور اصلی حظوظ کی طرف سے نہیں متوجہ ہوتا۔ لہذا ہم سے اچھا ہے۔ اور اپنے خیال کے عالم میں ہر دنیا دی لذت مزے اُٹھا رہا ہے۔

یہ تو وہ لوگ تھے جنھون نے دنیا کو چھوڑ کے صرف خیال کی پرستش شروع کر دی۔ ہم تو دنیا دارون کو بھی یہی دیکھتے ہین کہ ہجوم افکار سے اگر نجات ملتی ہے تو اسی خیال کے دامن مین چھپ کے۔ سچ یہ ہے کہ کشتی عمر کی بادبانی صرف خیال کر رہا ہے۔ اور یہ تغیر عالم کی کل صرف خیال کی انجینیری سے چل رہی ہے۔ اگر کچھ اطمینان ہے تو اسی خیال کی آسائش گاہ مین۔ اور مزہ ہے تو اسی بہار کا سمان دیکھتے ہین۔ ورنہ یہ دنیا ایسی حسرت دانندہ کی جگہ ہے کہ ممکن نہ تھا بے خیالی دلچسپیون کے کوئی ایک گھڑی کے لیے بھی مسرت حاصل کر سکتا۔ جفاکش اور ستم زدہ اگر دم بھر کو بھی فرصت ملتی ہے تو اسی عالم خیال مین آکے دل بہلاتے ہین۔ اور حرمان نصیبون کو جب اور کسی طرح کامیابی کی صورت نہین نظر آتی تو اسی دنیا مین آکے رخ جانان کی زیارت کر لیتے ہین۔

دنیا بھی غور سے دیکھو تو معلوم ہو جائے گا کہ وہ پاشکستہ جو منزل غربت مین تھک کے پڑ گیا ہے خیال اُس کے پاؤن دبا رہا ہے۔ اور وہ نامراد جو اپنی آرزوون مین ناکام ہو کے زندگی سے تنگ آگیا ہے خیال اُس کے دل پر تسلی کا ہاتھ رکھے ہوے ہے۔ ساری ناکامیان اور کل حسرت نصیبیان اُسی وقت تک گوارہ ہو سکتی ہین جب تک خیال انسان کا دوست ہے۔ اور رنج و مصیبت کی کڑی منزلین اُسی حالت مین طے ہوتی ہین جبکہ خیال رہبری کرتا ہے۔ جہان اس قدرت کے بھیجے ہوے سچے انیس اور اصلی شریک رنج و غم نے ساتھ چھوڑا پھر ممکن نہین کہ ایک گھڑی بھر کی زندگی بھی نباہی جا سکے۔ اسی خیال کے ساتھ چھوڑنے کا نام نا امیدی و یاس ہے جس کا تحمل کسی طرح نہین ہو سکتا۔ اور جس کے بعد کیا معنی یون کہنا چاہیے کہ جس کے ساتھ ہی موت ہے۔

کہتے ہین کہ انسان موت سے ڈرتا ہے مگر کون؟ وہی جس کے خیال سے خیال کے زندگی بخش فرشتون امید و آرزو کو کوئی تعلق نہین رہا۔ اور جسے یاس و نا امیدی کے دیوون نے چارون طرف سے گھیر لیا ہے۔ جب تک امید باقی ہے انسان موت کا طالب نہین ہوتا۔ اور جو طالب ہوتا ہے اُس کے دل مین امید نہین ہوتی۔ ہان ہمارے مجاہدین کا ایک جانباز گروہ البتہ ایسا ہے جس کے دل مین امیدین ہین اور وہ اُن امیدون کو بڑی بہادری سے میدان شہادت مین موت پر

قربان کرتا ہو۔ لیکن ہمیں یہ سمجھنا غلطی ہے کہ یہ لوگ اپنی آرزوؤن کو موت پر قربان کرتے ہیں
ان کی جس موت کو تم موت سمجھے ہوئے ہو اُسے وہ زندگی اور ابدی زندگی خیال کرتے ہیں۔ اپنا
عقیدت اور یقین نے باغ فردوس کی تصویر ان کی پرشوق آنکھوں کے سامنے لا کے
کھڑی کر دی ہے۔ حوروں کے پیارے اور دل فریب چہرے ان کی آنکھوں کے سامنے
پھر رہے ہیں اور ان کے شوق میں یہ اُس حقیقی عشرت کدہ کی طرف بڑھ رہے ہیں جس میں
ایک امیدیں تمام کرنے والا مستقل نظر آتا ہے۔ مایوسی کی موت اُس شخص کی ہے جس کے نزدیک
یہی دنیا مایہ انبساط ہو۔ آہ! مذہب میں یہی تو خوبی اور دلچسپی ہے کہ مرتے وقت جبکہ تمام
اسباب ہر طرف سے نا امیدیاں اور مایوسیاں اپنے منحوس چہرے دکھا رہی ہیں۔ یہ پیاری
اور مسرت بخش امید ایک فرشتۂ رحمت کی طرح آ کے سامنے کھڑی ہو جاتی ہے اور نا امیدی و
یاس کی خوفناک ڈراؤنی صورتوں کو سامنے سے مار کے ہٹا دیتی ہے۔ یہ فرشتۂ رحمت
ان لوگوں کو کہاں نصیب جن کے دل میں نہ ایمان کا نور ہے اور نہ خیال کی برکت۔

ان مذہبی اور لاپروائی و بے تعلقی کی زندگیوں سے قطع نظر کر کے غور کیجیے تو بھی صاف
نظر آئیگا کہ دنیا کی یہ تمام ترقیاں اور اہل عالم کی یہ سب بلند پروازیاں محض خیال ہی کی وسعت
و جستجو کا نتیجہ ہیں۔ فلسفہ محض خیال کا نام ہے۔ اور علوم صرف خیال کی تاک و دو سے پیدا ہوئے
ہیں۔ سقراط کے خیال نے قوم کی بد اخلاقیوں اور غلطیوں کو دریافت کر لیا۔ افلاطون کے
خیال نے الہیات کے رموز حل کیے۔ ارسطو کے خیال نے قوانین استدلال کو مرتب کیا۔
اور بقراط کے خیال نے علم طب کے تجربات ظاہر کیے۔ سچ پوچھو تو خیال کا دامن اس قدر
وسیع ہے کہ وسعت آباد دنیا بھی اس کے سامنے تنگ ثابت ہو۔ شعرا کو تنگی عالم کی
شکایت کرتے تو غالباً سب نے سنا ہوگا۔ مگر محققین ہیأت کی وسعت خیال کو آنکھ سے
دیکھ لیجیے کہ صرف تخیل کی قوت سے وہ کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ اور آج ان کا دماغ
کواکب و اجرام علوی پر تصرف کر رہا ہے۔

لوگ اس وقت تک خیال کو ایک ایسی چیز سمجھے ہوئے ہیں جو واقعات کے خلاف ہو
اور اسی وجہ سے اکثروں کو یہ کہنے کی بھی جرأت ہو گئی کہ خیال صرف ایک وہمی بلکہ [illegible]
جس کو واقعیت سے کوئی علاقہ نہیں۔ لیکن اصل یہ ہے کہ واقعیت بھی خیال کے تابع ہے
تجربہ خیال کی گود میں پلتا ہے۔ اور کل واقعات خیال کے قائم کیے ہوئے مسودہ اور سا

ناسک کی پابندی مین ظہور پذیر ہوتے ہین - یہی خیال ایک طرف آسمان سے تارے توڑنے کو جاتا ہے اور دوسری طرف سمندر کی تہ مین پہنچتا ہے کہ اُس کے اعلیٰ سے اعلیٰ اور قیمتی سے قیمتی خزانہ نکال لائے۔

امارت و غربت کے درمیان مین خیال ایک نہایت ہی عمدہ ٹیلیفون ہے - غریب آلس سے جھونپڑے مین پڑے پڑے محلون کے خواب دیکھتا ہے تو امیر اپنی امارت کی مسند پر جلوہ افروز ہوتے غربت کی صعوبتون کو یاد کر کے چونک پڑتا ہے - اور بغیر عالم کے سبق کو نہین حاصل سکلتا - اس کی بدولت اقبال و ادبار کے ثبت شدہ نقشے نظر آ جاتے ہین صرف یہ خیال ہے جو ایک طرف غریبون اور مصیبت زدون کی دل دہی و تشفی کرتا ہے اور دوسری طرف امیرون کا نشہ دولت حد سے نہین گزرنے دیتا۔

جن چیزون کو اگلی دنیا تصرف و کرامت خیال کر رہی تھی اب سائنٹیفک طور پر بعض نہایت خیال کی کرشمہ سازی ثابت ہو گئی - پرانے زمانہ کے عشاق جس چیز کو کشش عشق کہتے تھے اب معلوم ہوا کہ صرف انکے خیال کی یکسوئی کا ایک معمولی معجزہ تھا - اصل یہ ہے کہ اگر آپ اپنے خیال مین استقلال پیدا کر سکین تو آپ کو خیالی سیر مین اصلیت کا مزہ آ جائے کمال پیدا کرنا آپ کے ہاتھ مین ہے کہ جس کی خیالی تصویر پر آپ کسی قسم کا تصرف کرین وہ خود اُس کی اصلی صورت پر بھی متحقق ہو جائے - یہی وہ چیز ہے جس کو کبھی تسخیر کہتے ہین اور کبھی کشش عشق - یہی خیالی کرشمہ محمل لیلا کو دشت نجد مین لایا - اور اسی نے شیرین کے صبا رفتار راہوار کو کوہ بے ستون پر پہنچایا - وہ مکتب عشق کے بہت سے مستعد طلبہ ہین جنھین خیال جانان کے نظر کے سامنے سے ہٹ جانے کی شکایت ہے گرفتاران عشق صرف خیال یار سے حقیقی وصل کا مزہ اُٹھا لیتے ہین۔

اے پیارے خیال! حسرت نصیبون اور ہجران زدون کے دلون کی اُجڑی منزل کے لیکن ساری دنیا ایک تیرے دم سے آباد ہے - یہ عالیشان محل اور سر بفلک عمارتین جن کو قدرت نے معشوقہ ارض کا ایک نظر فریب زیور ثابت کر دیا ہے سب تیری کارستانی سے بنے ہین - تو ہی نے یہ بڑے بڑے شہر یہ زبردست قلعے اور خوش نما ایوان و قصر بنائے ہین اور پھر تو ہی نے اس دلستان عشرت کدہ یا رکھ عماری کی ہے جن سے تو نے ہزارون دلون کو وابستہ کر رکھا ہے۔

دلگداز اور ہندو قدردان

اس مین شک نہین کہ دلگداز مین ابتداے اشاعت سے اس وقت تک ایک اسلامی قومی پرچہ کی شان رہی اور جہانتک ہم آیندہ کی نسبت کوئی پیشین گوئی کر سکتے ہین اکثر یہی شان رہیگی - دلگداز کے ناظرین اور قدردانون کا زیادہ گروہ اسی مذاق کو پسند کرتا ہے جس پر دلگداز چلا اور چل رہا ہے - لیکن ہان ہمارے کرم فرماؤن مین ایک معتدبہ تعداد معزز اور لائق ہندو قدردانون کی ہے - جن کی طرف سے کبھی کبھی اس مضمون کے شکایت آمیز خطوط آجاتے ہین کہ دلگداز مین اُن کی دلچسپی کا کوئی سامان نہین ہوتا - اصل یہ ہے کہ ہمین ذاتی طور پر ہندو تاریخ مین بہت کم بصیرت حاصل ہے - تاہم کبھی کبھی ہم نے اپنے ہندو دوستون کی دلچسپی کے لیے بعض ایسے مضامین بھی شایع کیے ہین جو صرف اُن کے لیے تھے اور لطف سے خالی نہ تھے - چند سال پیشتر دلگداز کے صفحون پر "رامائن کے سین" شایع کیے گئے تھے - جن کو اکثر حضرات نے بہت پسند فرمایا - اور اُسی قسم کے مضامین کے شوق مین کبھی کبھی تاکیدی خطوط اب بھی آجاتے ہین - اس قسم کے مضامین شایع کرنے مین ہمین کبھی تامل نہ ہوگا - مگر اس کے ساتھ یہ خیال ضرور رکھنا چاہیے کہ دلگداز کی پالیسی وہی رہے گی جو تھی - اس بارہ خاص مین تھوڑی سی غلط فہمی بھی معلوم ہوتی ہے - وہ یہ کہ بعض حضرات خیال کرتے ہین کہ دلگداز ہندوؤن کی اغراض کے خلاف ہے لیکن یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے - دلگداز اور وہ لوگ جن کے قلم سے دلگداز کے مضامین لکھے جاتے ہین عموماً اس خیال کے پابند ہین کہ ہندوستان کی قومی دنیا مین ایک مسلمان کے لیے ہندوون کی دل شکنی بجنسہ ویسی ہے جیسی کہ کسی مسلمان کی دلشکنی ہو - دلگداز کے صفحون پر کوئی ہندو صاحب کبھی کوئی ایسا لفظ نہ پائین گے جو ہندوؤن کو ناگوار گزرنے والا ہو -

اس موقع پر ہمین اور ہمارے ساتھ تمام ناظرین دلگداز کو ہمارے لائق اور معزز دوست مولوی عزیز مرزا صاحب بی - اے کا مشکور ہونا چاہیے جنھون نے ہندو تاریخ کی طرف توجہ کی ہے - اور وعدہ کیا ہے کہ اپنی تاریخی واقفیت سے چند ہی روز مین ہمارے ہندو دوستون کی شکایت کو رفع کر دین گے - آیندہ

دلگداز مین اسلامی مضامین کے ساتھ ساتھ ہندوؤن کے مذاق کے مضامین بھی شایع ہون گے۔ جس کا مقدمہ یہ بیش بہا مضمون ہے جو آج دلگداز کے ابتدائی صفحون پر اور زیادہ دلچسپ ہونے کے سبب سے اس کو سب مضامین سے پہلے جگہ دیگئی۔

معرکۂ یونان و روم

موجودہ معرکہ یونان و روم نے اسلامی دنیا مین ایک سخت جوش پیدا کر دیا ہی۔ ترکون کی کامیابی کے لیے مساجد مین بعد نماز دعائین مانگی جاتی ہین۔ فتوحات کے مژدے پر لوگ خوشیان مناتے ہین۔ اور حافظ پاشا کے ایسے نامور شہید کے لیے فاتحہ خوانی ہوئی ہے۔ اور کیون نہ ہو۔ جب حضرت سلطان روم خلد اللہ ملکہ خلیفہ وقت تسلیم کیے گئے ہین تو تمام دنیا ے اسلام کو دولت عثمانیہ کے حالات سے جتنا زیادہ تعلق ہو تھوڑا ہے۔

خبرین جو میدان جنگ سے آتی ہین اول تو منتشر ہوتی ہین اور پھر ان کا پورا ترجمہ اردو اخبارات مین چھپا بھی نہین جا سکتا۔ جس کی وجہ سے اکثر اہل اسلام کی حسرت دل ہی مین رہ جاتی ہے۔ اسی غرض سے مین نے ارادہ کیا ہے کہ اس خاص معرکے کی ایک مکمل تاریخ جو تقریباً ۱۵-۲۰ جز پر ختم ہوگی نہایت عمدگی سے ترتیب دے کے شایع کرون۔ اس مین دولت عثمانیہ اور یونان کی مختصر تاریخ اور گزشتہ دو سال کی چھیڑ چھاڑ کیون کے بعد موجودہ لڑائی کا مفصل حال عمدہ عبارت اور اچھے پُر زور الفاظ مین بیان کیا جائیگا۔ امید کی جاتی ہے کہ یہ کتاب بہت ہی دلچسپ ہوگی۔ اور ملک اسے نہایت گرمجوشی کے ساتھ مقبولیت کی سند بخشے گا۔

یہ کتاب تین چار مہینے کے زمانہ مین پوری تیار ہو جائے گی۔ اور قیمت حسب ضخامت عہ سے ع تک مقرر ہوگی۔

ہم اس وقت کسی صاحب سے پیشگی قیمت نہین طلب کرتے بلکہ اگر کوئی صاحب ایسا ارادہ بھی کرین تو انھین منع کرتے ہین۔ مگر ہان یہ چاہتے ہین کہ جن صاحب کو خریداری منظور ہو ایک کارڈ پر ویلیو پے ایبل روانہ کرنے کی اجازت لکھ کے دفتر دلگداز مین بھیجدین۔ یہ کارڈ برابر فائل مین جمع ہوتے رہین گے۔ اور بر وقت تیاری فوراً

یہ کتاب اُن کی خدمت مین مرتبیع پے ایبل روانہ کر دی جائیگی۔ ہمین امید ہے کہ ہمارے پُرجوش ناظرین اپنی اپنی درخواستین ارسال فرمانے مین عجلت سے کام لین گے۔ اور اپنی طرف سے ہم انھین اطمینان دلاتے ہین کہ اس نایاب کتاب کو وہ بہت ہی پسند فرمائین گے۔ اس لیے کہ صرف اتنا ہی نہین کہ واقعات اور طرز عبارت اُن کے مذاق کے موافق ہے بلکہ اس کی چھپائی کا بھی اچھا اہتمام کیا گیا ہے کتابت کی ترتیب وغیرہ کا کام شروع ہو گیا ہے جس کے چھپنے مین کوئی شک نہین مگر درخواستین پہلے سے طلب کرنے مین ہمارا مقصود صرف اس قدر ہے کہ ملکی مذاق کا اندازہ کرین اور یورپ کے بعض نادانون کو جو سلطان روم کی خلافت سے انکار کرتے ہین بتا دین کہ مسلمانون مین دولت عثمانیہ کی ہمدردی اور سلطان کو خلیفہ برحق ماننے کا کس قدر جوش ہے۔

راقم خاکسار
محمد عبد الحلیم شرر۔ مہتمم دلگداز

فرمانروائے حیرہ نعمان بن منذر اور تاجدار قبیلہ غسان حارث اعرج کی سرحد ملی ہوئی تھی۔ اور شوکت و حشمت اور نیز شجاعت و فیاضی مین دونون ایک دوسرے کے حریف تھے۔ جس طرح اکثر اوقات دونون کی فوجین لڑتی رہتی تھین۔ اسی طرح دونون کی فیاضیون کا بھی باہم مقابلہ ہوا کرتا تھا۔ حیرہ کا بادشاہ جزیرہ نماے عرب پر دولت ایران اور مذہب زردشتی کا نمونہ تھا۔ اور فرمانروائے غسان دولت روم اور مذہب مسیحی کا۔ بس یہ ہے کہ یہ دونون بادشاہ جو آپس مین ایک دوسرے کی حریف تھے اپنے دو آئینہ تھے جن کے ذریعہ سے اس وقت کے دو کامیاب مذہبون یعنی آتش پرستی اور مسیحیت کا عکس عرب کے سادے اور سفید ریگزار پر پڑ رہا تھا۔ اور بت پرستی روز بروز مغلوب ہوتی جاتی تھی۔ اور انھین کے اثر سے اس بت پرستی کے زمانہ مین بھی ان غیر قومون اور مذہبون کی بہت سی رسمین عربون مین جاری ہو گئی تھین۔ دونون عربی بادشاہ اگرچہ ایک ہی ملک کے رہنے والے تھے مگر دونون کے مربیون کا یہ اثر بھی دونون کے دربار سے نمایان تھا کہ فرمانروائے غسان کی فوجی قوت اور اُسکے دربار مین اصلی شجاعت زیادہ تھی۔ برخلاف اسکے فرمانروائے حیرہ ایرانیون کے اثر سے اپنے دربار مین نمایشی اور جلوسی شان و شوکت پیدا کرنے کی زیادہ کوشش کرتا تھا۔ بنی غسان مین روم کی شوکت و حشمت تھی اور بادشاہ حیرہ کے دربار مین ایران کی دھوم دھام۔

یہ ایسی متضاد باتین تھین جن کی وجہ سے ان دونون عربی فرمانرواؤن مین بہت کم اتفاق رہتا تھا۔ اس زمانہ سے چند ہی روز پہلے کا واقعہ ہے کہ نعمان بن منذر حکمران حیرہ تیس ہزار عربون کی فوج سے بنی غسان کی سرحد پر آیا۔ اور حارث اعرج کو لکھا کہ "ہمارے قدیم مقبوضون کا یا تو فدیہ دو۔ ورنہ لڑنے کو تیار ہو جاؤ" حارث اعرج یہ پیام پاتے ہی ایک بڑی فوج سے کے اٹھ کھڑا ہوا۔ اور بڑی سخت لڑائی ہوئی جسمین نعمان کو ہزارون لاشین چھوڑ کے بھاگنا پڑا۔ حارث کو یہ نمایان فتح حاصل کرکے اپنے گھر مین آئے ابھی چار یا پانچ روز گزرے ہونگے کہ ایکدن وہ دربار مین بیٹھا تھا۔ سبز رنگ کا حلہ بدن مین جس کی آستینین خوب براق اور سفید تھین[1] عصاے سلطنت ہاتھ مین تھا[2] مرصع صلیب گلے مین پڑی تھی۔ سونے کا تاج

---

[1] یہ فرمانروایان عرب بلکہ خاص شاہان غسان کا درباری لباس تھا۔

[2] عصاے سلطنت جنکو انگریزی مین سپٹر کہتے ہین۔ اسکو شاہان غسان نے رومیون سے لیا تھا۔

سر پر تھا۔ اراکین دولت دونون طرف دست بستہ کھڑے تھے۔ اور ہر شخص امیدوار تھا کہ گزشتہ میدان جنگ کے بہادرون اور دلاورون کو انعام تقسیم ہوگا۔ یکایک مشہور شاعر لبید (؟) نے آگے بڑھ کے زمین چومی اور زبانی ہی ایک قصیدہ سنانا شروع کیا۔ اراکین دولت زور شور سے داد دینے لگے۔ اور خود حارث اعرج اپنی مسرت کو ایک متکبرانہ شان کے تبسم سے ظاہر کر رہا تھا۔

لبید ابھی پچیس شعرون سے زیادہ نہین پڑھنے پایا تھا کہ حارث اعرج کی مان ماریہ آگئی۔ ماریہ بلحاظ عمر اگرچہ ادھیڑ تھی۔ مگر لباس اور خود آرائی کی کوششون سے اپنے کو جوان بنائے رہتی تھی۔ بال مختلف چوٹیون مین گندھے تھے اور سر پر ایک زردریشی خمار پڑی ہوئی تھی۔ جس کے نیچے سے جا بجا چھوٹی چھوٹی چوٹیان جھانک رہی تھین۔ اور کانون مین دونون طرف دو جواہرات کے گوشوارے لٹک رہے تھے جن کو وہ ایک عجب بانکپن کے ساتھ خمار کے نیچے سے نکالے ہوے تھی۔ ماریہ کے ان دونون گوشوارون کی بڑی شہرت تھی۔ عرب مین ضرب المثل ہو گئے تھے۔ اور کسی چیز کی بیش قیمتی ثابت کرنے کے لیے عموماً ان گوشوارون کی مثال دی جاتی تھی۔ انھین گوشوارون

٭ لبید عرب کے ان مشہور شعرا مین ہے جنھون نے جاہلیت اور اسلام کے دونون زمانہ دیکھے۔ ۱۴۵ سال کی عمر پائی جسمین سے ۹۰ برس جاہلیت مین اور ۵۵ برس اسلام مین گزرے۔ اور جناب معاویہ کے آخر عہد مین سفر آخرت کیا۔ اسلام کے بعد لبید نے اپنے اشعار جاہلیت کا سنانا قطعاً موقوف کر دیا تھا۔ چنانچہ حضرت عمر نے اپنے زمانۂ خلافت مین ایک مرتبہ مغیرہ بن شعبہ والی کوفہ کو لکھا کہ موجودہ شعرا مین سے جو شخص سب سے اچھا کہتا ہو اُسے میرے پاس روانہ کرو۔ مغیرہ نے دو ایک شعرا کو بلوا کے ان کا کلام سنا اور جب کسی کا کلام نہ پسند آیا تو لبید کو جنھون نے ان دنون کوفہ کی سکونت اختیار کر لی تھی بلوایا اور اپنے قدیم کلام سنانے کی فرمایش کی۔ مغیرہ نے زیادہ اصرار کیا اور مجبور کیا کہ اس وقت نہین تو اپنا کچھ کلام لکھ کے بھیج دو۔ لبید نے گھر پر آ کے ایک جزو پر سورۂ بقر لکھ کے بھیج دی اور کہلا بھیجا۔ اب تو جو کچھ یاد ہے وہ یہی ہے۔ یہ حال مغیرہ نے جناب فاروق کو لکھا تو آپ نے فوراً مغیرہ کے سالانہ وظیفہ مین سے پانچ سو درہم کم کر کے لبید کے وظیفہ مین بڑھا دیے۔ مغیرہ نے یہ سُن کر پھر عرضی بھیجی کہ آپ کے حکم کی تعمیل مین اس سزا کی مجھے امید نہ تھی۔ حضرت عمر نے لبید کی

اختیار سے غسان کی بیسیوں ملک ذات القرطین (دو گوشوارون والی) کے لقب سے مشہور تھی۔ ماریہ ذات القرطین کا خود بادشاہ اور تمام اہل دربار نہایت ادب کرتے تھے۔ وہ جیسے ہی اس دربار مین آئی لبید شعر پڑھتے پڑھتے رُک گیا۔ حارث اعرج اپنے تخت پر سے اُتر پڑا۔ اور کُل اہل دربار زمین پر سجدے مین گر پڑے۔ حارث جو تعظیم ادا کرنے کو جھکا ہی تھا کہ ماریہ نے جھک کے اُس کی پیشانی چومی۔ اور اپنے ہاتھ سے تخت پہ بٹھا کے خود بھی اُسکے برابر بیٹھ گئی۔

حارث: "والدہ! آپ نے کیون تکلیف کی؟"

ماریہ: "بیٹا! تجھے فتحمندی پر مبارکباد دینے آئی!"

حارث: "یہ رسم تو آپ پہلے ہی گھر مین ادا کر چکین"

ماریہ: "ہان گھر مین مبارکباد دے چکی ہون۔ مگر کیا تو نہین چاہتا کہ ایک رعایا کی حیثیت سے تجھے سر دربار مبارکباد دون؟"

حارث: "بس۔ مجھے زیادہ نادم نہ کیجیے"

ماریہ: "بیٹا! مین تیرے دربار کی شان دیکھنے کو آئی ہون۔ چاہتی ہون کہ تجھے لوگون کو انعام و اکرام دیتے۔ اور شعرا کو تیری مدح و ثنا کے قصیدے پڑھتے دیکھون اور اپنی آنکھین ٹھنڈی کرون"

حارث: "اس سلطنت کی اصلی فرمان روا آپ ہین۔ اور اگر آپ مین مجھ مین کسی کو رعیت کی حیثیت حاصل ہے تو مجھ کو" اتنا کہہ کے حارث نے جھک کے مان کے قدم چوم لیے اور ماریہ نے اُٹھا کے اُسے گلے سے لگا لیا۔ اور لبید کی طرف متوجہ ہو کے کہا۔ "تم اپنا قصیدہ سناؤ۔ مین اپنے بیٹے کی تعریف سُننے کی مشتاق ہون"

لبید نے پھر قصیدہ شروع کیا۔ لیکن اس مرتبہ اُس نے قصیدہ مین فی البدیہہ اتنی ترمیم کر لی کہ حارث کے ساتھ ماریہ ذات القرطین کی بھی مدح سرائی تھی۔ اس قصیدے کے ختم ہونے کے بعد اور دو ایک شاعرون نے اپنے قصیدے سُنائے۔ قصیدہ خوانی کے بعد

وہ زیادتی تو قائم رکھی مگر بیت المال سے بطور ہدیہ منظوری دے کے مغیرہ کی تنخواہ پوری کر دی۔ لبید جاہلیت مین پہلے نعمان بن منذر کے دربار مین تھا مگر آخر اُس سے ناراض ہو کے حارث اعرج کے دربار مین پہنچا۔ اور وہان بڑی قدر و منزلت ہوئی۔

حارث نے سپاہیوں اور شاعروں کو انعام واکرام سے سرفراز کیا۔ گزشتہ لڑائی کے مال غنیمت میں سے بہت سے نیزے اور تلواریں لوگوں کو عطا ہوئیں۔ اور حکم ہوا کہ حیرہ کے قیدی حاضر کیے جائیں۔ عورتیں اور لڑکیاں لونڈیوں کی حیثیت سے جا بجا تقسیم ہوئیں۔ اور اسیر سپاہیوں کے لیے قتل کا حکم ہوا۔ ان اسیروں میں حیرہ کا مشہور شاعر عروہ طائی بھی تھا۔ جس کی صورت دیکھتے ہی ابو یہ چلائی کہ اس کا منہ بند کر دو۔ ایسا نہ ہو کہ مرتے مرتے میرے بیٹے کی ہجو میں کوئی شعر کہہ دے ٭۔ دربار سے ایک سپاہی نے فوراً بڑھ کے عروہ کا منہ اپنی چادر سے کس کے باندھ دیا۔ اور دوسرے قیدی قتل ہونے لگے۔

عروہ ایک کونے پر بندھا کھڑا اشارے سے رحم کے لیے التجا کر رہا تھا۔ اور بار بار جھک جھک کے اشارہ کرتا تھا کہ منہ کھولا جائے تو کچھ عرض کروں۔ مگر شنوائی نہ ہوتی تھی۔ ناگہاں ایک نیا شخص دربار میں آیا۔ اور بادشاہ کے سامنے زمین چوم کے فتح ونصرت کی مبارکباد دینے لگا۔ حارث نے کسی قدر حیرت سے اسکی طرف دیکھا اور کہا "کون؟ طلیح! کب آئے؟ تم تو بازار عکاظ اور حج کو گئے ہوئے تھے؟"

طلیح۔ "میں سوق عکاظ ہی میں تھا کہ اس مہم کی خبر سنی۔ اور سنتے ہی واپس روانہ ہوا کہ بادشاہ کے ہمراہ جوہر شجاعت دکھا کے جان نثاری کا مرتبہ حاصل کروں۔ میں نے حج کا ارادہ بھی ملتوی کر دیا۔ منشم کا عطر لگایا٭٭۔ اور سیدھا واپس روانہ ہوا۔ گھر پہنچ کے دم بھی نہیں لینے پایا تھا کہ فتح کا مژدہ سنا اور اس وقت کے دربار کا حال معلوم ہوا۔ فوراً اٹھ کھڑا ہوا کہ حاضر ہو کے مبارکباد دوں۔"

حارث۔ "اس میدان میں بنی غسان کو بڑی بھاری فتح ہوئی۔ اور سچ تو یہ ہے کہ ہمارے بہادروں نے بڑی دلیری وشجاعت سے کام لیا۔"

طلیح۔ "بادشاہ کے اقبال سے یہاں کے بہادروں نے ہمیشہ ایسی ہی دلیری ظاہر کی ہے۔"

٭ ان دنوں عربی سردار اور فرماں روا شاعروں کی ہجو سے بہت ڈرتے تھے۔ یہ یقین ہوتا تھا کہ ان کی زبان سے جو کوئی شعر نکل گیا فوراً عوام کی زبان پر چڑھ جائے گا۔ اور پھر یہ بدنامی کبھی دھوئے نہ دھلے گی۔

٭٭ منشم مکہ کی ایک عطر والی تھی جس کا عطر لوگ لڑائی پر جاتے وقت لگاتے تھے۔

حارث۔ "سوق عکاظ کی کچھ خبر بیان کرو۔ کیا حال رہا؟ کوئی جھگڑا تو نہیں ہوا؟"
طلیح۔ "یون تو کئی دفعہ معمولی جھگڑے ہو پڑے۔ مگر کوئی ایسا فساد نہیں ہوا جو حضور کی توجہ کے قابل ہو۔"
حارث۔ "اور شعرا مین اب کی کون بڑھا رہا؟"
طلیح۔ "نابغہ کے آگے بھلا کس کا رنگ جم سکتا تھا؟"
اتنی دیر مین میدان کے تمام قیدی قتل ہو گئے۔ اور سب کے آخر مین بادشاہ حارث کا ہمراہی سیاف ذوالمصرع جو جلادی کی خدمت بجا لاتا تھا عُروہ کو لے کے چلا جس کا منھ تو بند تھا مگر آنسوؤن سے آنسو جاری تھے۔ اور ایک ایک کی طرف ہاتھ بڑھا بڑھا کے رحم کی درخواست کرتا تھا۔ اتفاقاً طلیح کی نظر جا پڑی۔ اور بے اختیار کہہ اُٹھا۔ "یہ کون شخص ہے؟"
حارث۔ "اسے نہین جانتے؟ نعمان کے دربار کا مشہور شاعر عُروہ طائی۔"
طلیح۔ "عروہ طائی! (بادشاہ کے آگے سر جھکا کے) حضور یہ میرا قدیم دوست ہے۔ اسکی جان بخشی کا امیدوار ہون۔"
ماریہ۔ (برہمی سے چلا کے) "نہین۔ یہ اپنے گندے الفاظ سے ہمارے دربار کو بدنام کرے گا۔"
طلیح۔ "کیا مجال! اگر اس سے ایسی ناشکری سرزد ہو تو میرا خون بھی ملکہ کو حلال ہے اور میرے ورثہ کو کبھی نہ انتقام کا حق حاصل ہوگا اور نہ خون بہا کا۔"
حارث۔ "طلیح تمہاری خاطر سے اور صرف تمہارے کہنے سے مین نے اس کا خون معاف کیا۔ لے جاؤ۔ یہ تمہارا غلام ہے۔ اور اس کے ساتھ جیسا سلوک چاہو کرو (اہل دربار سے) عروہ کا منھ کھول دو۔"
طلیح۔ (بادشاہ کے سامنے زمین چوم کے) "مین خود حضور کا غلام ہون۔ میری کیا مجال کہ کسی کو اپنا غلام سمجھون۔ مگر ہان یہ میرا دوست ہے۔ اور میرے ساتھ یہ بھی بادشاہ کی غلامی کو اپنا فخر سمجھے گا۔"
عروہ۔ "بے شک میری باقی زندگی اس تخت کی غلامی مین صرف ہو گی۔"

* جمع [illegible] سیدانی۔

طلیح ”حضور مین بازار عکاظ سے ایک تحفہ لایا ہون جو نہایت ہی قیمتی اور قابل قدر ہے۔ آپ بھی پسند فرمائین گے۔ اور ہماری مشہور ملکۂ ذات القرطین بھی“

حارث ”بازار عکاظ سے لائے ہو تو بے شک قیمتی چیز ہو گی“

طلیح (بیچ، بادشاہ کے قدمون پر سر جھکا کے) ”نہین حضور۔ ایسی چیز نہین کہ بازار مین مول لی جا سکے۔ ایک شریف عقلمند اور نکتہ رس خاتون ہے جو خاص بادشاہون کی محفل اور ہماری فیاض و لائق ملکہ کی ایسی شاہزادیون کی مصاحبت کے قابل ہے“

ماریہ ”کوئی لونڈی ہے؟“

طلیح ”نہین لونڈی نہین۔ ایک آزاد اور معزز خاتون ہے جو نکتہ رسی اور ذہن رسا مین اپنا مثل نہین رکھتی۔ وہ محل سرا مین رہ کے ملکہ کی جان نثاری کرے گی۔ اور حضور کو ہر امر مین عمدہ مشورہ دے گی“

ماریہ ”مجھے اپنی ہونی حلیمہ کے لئے کسی ایسی لائق اور ہوشیار نگرانی کرنے والی کی ضرورت تھی“

طلیح ”مگر ملکہ وہ ایسی نکتہ رس عورت ہے کہ شاہزادی سے زیادہ اُس کے مشورون کی ضرورت خود بادشاہ کو ہو گی“

حارث ”تو وہ کہان ہے؟ لاؤ۔ مین اُسکی قدردانی مین کوتاہی نہ کرون گا“

طلیح ”حضور ابھی لایا“ یہ کہہ کے طلیح نے بادشاہ کے سامنے زمین چومی اور عُروہ طائی شاعر کو اپنے ہمراہ لے کے دربار سے نکلا چلا گیا۔ خولہ کو وہ اپنے ہمراہ لایا تھا۔ اور باہر ایک دوست کے مکان مین بٹھا کے داخل دربار ہوا تھا۔ اب باہر جا کے اُس نے عروہ کو خولہ کی جگہ بٹھایا اور خولہ کو ساتھ لے کے پھر حاضر دربار ہوا۔ خولہ نے دربار مین آتے ہی بادشاہ کے سامنے سجدہ کیا۔ پھر بڑھ کے ماریۂ ذات القرطین کے قدم چومے۔ اور دست بستہ سر جھکا کے تخت کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

ماریہ (طلیح سے) ”اِن کا نام کیا ہے؟“

طلیح کہنے کو تھا کہ خود خولہ نے دونون ہاتھ سینہ پر رکھ کے اور سر جھکا کے کہا ”لونڈی کا نام خولہ بنت عمیر بن عامر ہے۔ اور قبیلۂ بنی تغلب سے تعلق رکھتی ہون“

حارث ”طلیح۔ تم سے اِن سے کیونکر ملاقات ہوئی؟“

طلح "خداوند یہ میری بی بی ہے - اور جس طرح مجھے بادشاہ کی غلامی کی عزت حاصل ہے اُسی طرح اگر اس کو شاہزادی کی لونڈی بننے کی عزت حاصل ہو تو میری عزت دوبالا ہو جائے گی"

ماریہ "تم تو کہتے تھے کہ خولہ کو سوق عکاظ سے لائے ہو؟"

طلح (سینہ پہ ہاتھ رکھ کے) "جی ہان مجھے وہین اس کی دانشمندی کا امتحان ہوا۔ خداوند مین بعض دشمنون کے ہاتھ سے مارا گیا ہوتا مگر اسی لائق عورت کی کوشش سے جان بچی مین نے فوراً اسے اپنے عقد نکاح مین لیا۔ بادشاہ کی خدمت مین اسے زیادہ تر مین اس وجہ سے لایا ہون کہ یہ نعمان بن منذر اور اُس کے حالات سے بخوبی واقف ہے"

حارث "ہان تم وہان رہی ہو؟"

خولہ "نہین۔ مگر میری ایک بہن مدتون نعمان بن منذر کے محل مین رہی تھی۔ اُس کو نعمان نے بے عزت کر کے نکال دیا۔ اور آخر اسی صدمہ سے بیمار پڑ کے اُس نے جان دی" اتنا کہہ کے خولہ رونے لگی۔ اور بادشاہ کے قدمون پر گر کے چلائی "مین لونڈی ہی بننے کو نہین آئی ہون۔ بلکہ اپنی فریاد بھی اس دربار مین لائی ہون"

ماریہ (تسلی دینے کے لہجہ مین) "خولہ۔ زیادہ حیران نہ ہو۔ میرا بیٹا تیری دادرسی کرے گا اور اب میرے ساتھ محل مین چل" اتنا کہہ کے ماریہ ذات القرطین تخت پر سے اُتری خولہ کو جو اب تک بادشاہ کے سامنے زمین پر پڑی ہوئی تھی اُٹھایا اور اپنے ساتھ محل کے اندر لے کے چلی گئی۔

ماریہ کے جاتے ہی دربار بھی برخاست ہوا۔ بادشاہ حارث اعرج اُٹھ کے حرم سرا مین گیا۔ اور سب لوگ آداب شاہی بجا لا کے رخصت ہوئے۔ طلح نے باہر نکلتے ہی عُروہ طائی کو لیا۔ اور اپنے گھر کی طرف روانہ ہوا۔ دو ہی قدم چلا ہوگا کہ عُروہ نے شکریہ ادا کرنے اور اپنی ممنونیت ظاہر کرنے کی غرض سے فی البدیہہ کچھ اشعار طلح کی مدح وثنا مین پڑھنا شروع کیے۔ جس سے طلح نے اُسے روکا اور کہا "میری شان اتنی نہین کہ تمہارا سا جادو بیان شاعر میری تعریف مین قصیدہ کہے۔ اور درحقیقت مین نے تم کو ایک خاص غرض سے نجات دلائی ہے"

عُروہ - "آپ کی جو غرض ہو بیان کیجیے۔ مین اُس کی بجا آوری مین ذرا بھی کوتاہی نہ کرون گا"

طلیح۔ "میرا صرف اتنا مطلب ہے کہ نعمان کے دربار مین کبھی جانے کی ضرورت ہو یا اُس سے کوئی غرض حاصل کرنا ہو تو آپ سے مدد ملے"

عُروہ "افسوس مین آپ کی بہت مدد کرتا۔ مگر اب اس قابل کہان رہا؟"

طلیح۔ "آپ کے لیے یہی مناسب ہے کہ نعمان ہی کے دربار مین جاکے رہیے۔ مین آپ کو وہان تک پہنچا دون گا۔ لیکن یقین ہے کہ آپ خط وکتابت رکھین گے۔ اور جن امور کی مین خواہش کرون پورا کر دین گے"

عروہ۔ "لیکن میرے چلے جانے کی صورت مین بادشاہ حارث اعرج کیا کہے گا؟"

طلیح۔ "آپ اسکی فکر نہ کرین۔ مین ایسی تدبیر کرون گا کہ خود بادشاہ آپ کو ایک ہدیہ کے طریقہ سے نعمان بن منذر کے دربار مین بھیجے"

اتنا سُنتے ہی عروہ نے اپنی ممنونیت ظاہر کرنے کے لیے ایک جوش کے ساتھ طلیح کا ہاتھ اپنے ہاتھ مین لے لیا۔ اور پُرنم آنکھون کو احسان مندی کی وضع سے اُس کی طرف اُٹھا کے کہا "بڑا احسان ہوگا! زندگی بھر تابع فرمان رہون گا"

طلیح۔ "مگر یہ شرط ہے کہ اُس دربار کے متعلق میری جو غرض ہو اُسکی ندر ہے"

عروہ "کبھی نہین۔ مین آپ کے حکم کی تعمیل مین اپنی جان صرف کر دون گا"

یہین تک گفتگو ہوئی تھی کہ طلیح اپنے گھر پہنچ گیا۔ عروہ کو لے جاکے اندر بٹھایا۔ اور کہا "جب تک آپ یہان ہین میرے ہی گھر مین رہیے۔ اور مین وعدہ کرتا ہون کہ آپ کو زیادہ نہ ٹھہرنا پڑے گا۔ دو ہی تین دن مین بندوبست ہوا جاتا ہے۔ اس کے بعد اُس نے اپنی لونڈی مرجانہ کو بُلا کے کہا "یہ ہمارے دوست ہین۔ ان کے لیے کھانے کا بندوبست کرو۔ اور وہ جو کی شراب جو کل مین اپنے ساتھ لایا تھا لے آؤ کہ ذرا ان کی تکلیف اور تھکن دور ہو" مرجانہ شراب لینے گئی اور عروہ نے پھر ایک دفعہ جوش احسان مندی سے بیتاب ہو کے کہا "آپ کے احسانات کبھی نہ بھولین گے یغوث وفلس[1] کی قسم کھاتا ہون کہ قبیلہ طے کی دونون پہاڑیون سلمی اور اجا[2] کے درمیان مین کوئی شخص مجھ سے زیادہ ممنون احسان اور محسن پرست نہ ثابت ہوگا"

---

[1] یغوث وفلس بنی طے کے بُت تھے جنین سے عروہ بھی تھا۔

[2] سلمی اور اجا قبیلہ طے کی خاص پہاڑیان ہین۔ جنکو قبیلہ بنی طے نے اپنی افتخار[illegible] ہمیشہ یاد دلایا ہے

طلیح۔ "ان باتون کا خیال نہ کیجیے۔ شائد آپ بھی کبھی میرے کام آئین جس حیثیت سے آپ یہان آئے اُسی حیثیت سے میرا النعمان بن منذر کے دربار مین جانا غیر ممکن نہین"۔

عروہ۔ "ایسا ہوا تو مین آپ کے بچانے مین اپنی جان صرف کر دون گا"

وہ شراب لائی۔ اور طلیح نے لڑکی کے کھڑے ہوتے پیالے مین بھر بھر کے ایک جام تو خود پیا اور کئی جام عروہ کو پلائے۔ جسکے اثر سے عروہ کا جوش ممنونیت بادہ پیمائی مین آ گیا۔ اب اُس کی یہ حالت تھی کہ اپنی احسان مندی کو کبھی رو رو کے اور کبھی ہنس ہنس کے کبھی نظم مین اور کبھی مقفی نثر مین کبھی جوش کے ساتھ اُٹھ اُٹھ کے اور طلیح کے قدمون پر گر گر کے ظاہر کرتا تھا۔ اور مرجانہ کھڑی ان بیہودہ حرکتون کا تماشا دیکھ رہی تھی۔

عروہ کو اس حالت مین چھوڑ کے طلیح اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور مرجانہ کا ہاتھ پکڑ کے ایک کمرے مین لے گیا۔ اور اُسکے مُنہ کا ایک بوسہ لے کے کہنے لگا "دیکھو عروہ کو مین تمہارے سپرد چھوڑے جاتا ہون۔ ذرا ان کی حفاظت کرنا۔ اور جہان تک ہو سکے خوش کرنے کی کوشش کرنا۔ مجھے ان سے بڑا کام لینا ہے۔" مرجانہ ایک خوبصورت لڑکی تھی۔ اُس کی عمر ابھی سولہ سترہ سال سے زیادہ نہ ہو گی۔ اس کی رنگت نہایت ہی سرخ و سفید تھی۔ اور اس قدر گوری کہ کسی کو اُس پر عربیہ ہونے کا گمان بھی نہ ہو سکتا تھا۔ اور فی الواقع وہ عربی نژاد نہ تھی۔ اُن دنون شام کے یہودیون پر عیسائیون کے ہاتھ سے ایسے مظالم ہو رہے تھے کہ یہودیون کے ہزارہا خاندان جلا وطنی اختیار کر کے ادھر اُدھر بھاگے جاتے تھے۔ اور جب سے یہودیون کو ارض یثرب یعنی مدینہ طیبہ اور اُس کے گرد و نواح مین قدم جمانے کا موقع ملا تھا۔ صدہا خاندان اپنی قدیم مقدس سرزمین چھوڑ چھوڑ کے ادھر کا رُخ کرنے لگے تھے۔ لیکن راستہ مین بنی غسان کے ملک سے ہو کے گزرنا پڑتا تھا جن مین مسیحی تعصب کے ساتھ بدوی درشت مزاجی اور غارت گری بھی تھی۔ اُن جلا وطن یہودیون مین سے بہت کم ایسے ہون گے جو صحیح و سالم مدینہ پہنچ گئے ہون۔ ورنہ عموماً یہی ہوتا تھا کہ غسانیون کے علاقہ مین پہنچے اور متعصب غسانی غارت گرون کے ہاتھ مین پڑ گئے۔ اس صورت مین مرد قتل ہوتے تھے۔ اور عورتین لونڈیان بنائی جاتی تھین۔ مرجانہ کا باپ بھی

یہودی تھا۔ اور اسی طرح مینہ جاتے ہوے مارا گیا۔ خانمان برباد اور بے یار و مددگار لڑکی کو بیچنے کے لیے بدوی کسی دور کے بازار کو لیے جاتے تھے کہ طلیح کا گزر ہوا۔ جیسے اُس کی صورت اچھی معلوم ہوئی۔ بدویوں کو کچھ دیے دلا کے راضی کیا۔ اور مرجانہ نام رکھ کے لونڈیوں کی طرح اپنے گھوڑن لایا۔

مرجانہ اگرچہ لونڈی سے زیادہ وقعت نہ رکھتی تھی۔ مگر اس کی دلفریب صورت اور دفا کیشی وخدمتگذاری نے طلیح کے دل پہ یہ اثر کیا کہ اُسے نہ شادی کی فکر تھی اور نہ کسی دوسری لونڈی کے گھر مین لانے کا خیال تھا۔ مرجانہ چاہتی تھی کہ وہی اکیلی طلیح کی معشوقہ رہے۔ اور طلیح نے اُس سے کچھ ایسا ہی اقرار کیا تھا۔ مگر اس مرتبہ جس وقت سے وہ خولہ کو ساتھ لے کے آیا تھا مرجانہ کے دل پہ ہر وقت ایک اندوہ رہا کرتا تھا۔ عرب کی عورتین پھر بھی ایک حد تک اس امر کی عادی تھین کہ اپنے شوہرون کے گھر مین دوسری بی بیون کو دیکھین۔ مگر اُس کو قوم یہود سے تعلق تھا جن مین تعدد ازدواج کی اتنی کثرت نہ تھی جتنی کہ عربون مین تھی۔

اس وقت جو طلیح نے مرجانہ کو الگ لے جا کے اُس کا بوسہ لیا۔ اور محبت کے لہجہ مین بات کی تو مرجانہ نے ایک بچپن کی ادا سے مُنہ پھلا لیا۔ اور شرم آلود آنکھین جھکا کے بولی۔ "بس مجھے لونڈی ہی رہنے دو۔ مجھ سے یہ باتین نہ کرو۔"

طلیح۔ (تعجب سے) "یہ کیون؟" اور اتنا کہہ کے اُس نے مرجانہ کو گلے سے لگا لیا اور کئی بوسے لیے۔

مرجانہ نے جھٹک کے اپنے کو طلیح کی آغوش سے الگ کیا۔ اور بھرائی ہوئی آواز مین کہا "ہٹو۔ تمھاری محبت کا کوئی اعتبار نہین۔" اتنا کہا اور ایک طفلانہ سادگی سے پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی۔ طلیح نے اُس کو بہت کچھ تسلی دی۔ اور کہا "مرجانہ میرے دل مین فقط تیری ہی جگہ ہے۔ خولہ کو مین نے فقط ایک ضرورت اور غرض سے بی بی بنا لیا ہے۔ یہ دو چار دن جو وہ یہان رہی یہ بھی مجھے ناگوار تھا۔ مگر کیا کرون مجبور تھا۔ اور اسی سبب سے یہان آتے ہی مین نے اُس سے پیچھا چھڑا لیا۔ اُسے بادشاہ کے محل مین پہنچا دیا۔ اب وہ وہان رہے گی اور اتنی مہلت ہی نہ پائے گی کہ مجھ سے ملنے کو یہان آئے۔"

مرجانہ۔ (شرمناک ہو کے) "تو تم اُسے یہاں لائے ہی کیوں؟"

طلیح۔ "میں کیا کہوں کہ کیا ضروری کام اور کتنی بڑی غرض تھی۔ جو میں نے اُسے لا کے تیرا دل دکھایا۔ وہ فقط نام کو یہ بی بی ہے۔ اگر تو تو میری جان کی مالک ہو" اتنا کہہ کے طلیح نے مرجانہ کو پھر گلے سے لگا لیا۔ اُسے گدگدا کے بچوں کی طرح ہنسایا۔ اور دو چار بوسے لے کے کہا "میں اس وقت آیا۔ بڑی ضرورت سے جاتا ہوں۔ وہ دونوں نو واردین کو ساتھ لایا ہوں اکیلے گھبرائے ہوں گے مجبوری سے اُن کو ایک علیحدہ مکان میں ٹھہرا دیا۔ مگر مجھے روز جا کے ملنا چاہیے۔ اُن کی دلدہی کرنا ہے۔ مرجانہ کاش تجھے معلوم ہوتا کہ انھیں کیوں ساتھ لایا ہوں۔ اور وہ کون ہیں۔ بس اب مجھے جانے دے۔ ایسا نہ ہو کہ بھڑک جائیں۔ تم عروہ کی خبر رکھنا۔ شاعر ہے اور بوڑھا سخت مصیبتوں اور جان کے خطروں کے بعد آج شراب پی ہے۔ اور زیادہ پی گیا ہے۔" اتنا کہہ کے اس نے پھر اُس کے مسکراتے ہوئے ہونٹھوں کا ایک بوسہ لیا اور کہا "رخصت" مرجانہ ایک شرم و ناز کی ادا سے آنکھیں نیچی کیے کھڑی رہی۔ اور طلیح دروازے سے نکل کے چلا گیا۔

چوتھا باب

شاہزادی حلیمہ

جس دن گزشتہ باب میں ہم نے طلیح کو زہیر و عمر کی خبرگیری کے لیے روانہ کیا ہے اُس کے ایک ہفتہ بعد کا واقعہ ہے کہ صبح کا وقت ہے۔ آفتاب کی شعاعیں مشرق کی گھاٹیوں نور برساتی ہوئی نکلی ہیں اور بادشاہ حارث اعرج کے عالیشان محل کے کنگروں پر سنہرا پانی پھیر رہی ہیں۔

یہ قصر آبادی سے کئی میل کے فاصلہ پر شمال کی طرف برہنہ اور تہ در تہ پہاڑیوں کے حلقہ میں واقع ہے۔ اس کی بنیاد اگلی قوم عاد کی کسی منہدم عمارت کے آثار پر دائم قائم کی گئی ہے۔ اور شام و روم کے ہوشیار معماروں کے ہاتھ کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ تمام قبائل عرب میں اس کی عالیشانی و خوشنمائی کے افسانہ بیان کیے جاتے ہیں۔ صحرا نشین اور کملیاں تان تان کے بسر کرنے والے ابنائے بادیہ اسے شاہ غسان کی دولتمندی کا

ایک مافوق العادہ کرشمۂ خیال کرتے ہین۔ اور دور دور سے آکے بلند کنگرون خوشنما
ہجرون اور سقف فلک مین پیوست ہونے والے کلسون کو حیرت و استعجاب کی
نگاہون سے دیکھتے ہین۔

اس عہد کی ضرورتون کے لحاظ سے اس عمارت مین ایک خاص بات ہے جو
شاید اور کسی جگہ کی عمارتون مین کم ہوگی۔ بادشاہ۔ اُس کی مان ملکۂ ذات القرطین۔
اور اُسکی پری جمال بیٹی حلیمہ کے عیش و عشرت کے سامانون کے لحاظ سے اگر اسے
ایک شاہی قصر کہہ سکتے ہین تو گرد کے کوہسار کے قدرتی حصار اور ان جنگی سامانون کے
لحاظ سے جو ہوا اور جفاکش بدویون کے حملے روکنے کے لیے فراہم کیے گئے ہین
اسے ایک زبردست قلعہ کہنا چاہیے۔

کئی چشمہ گرد کے پہاڑون سے نکل کے درمیانی میدان مین گرتے ہین جنکی
بدولت یہ حصۂ زمین اور صرف یہی حصہ بہت کچھ شاداب ہے۔ مگر اُس طرف کا میدان
جو بعض بعض جگہ گھاٹیون سے جھانک رہا ہے بالکل ریگ زار ہے۔ انھین پہاڑون کا
سلسلہ مین جنوب کی طرف ہٹ کے قدیم زمانہ کی قوم ثمود کے آثار پڑے ہوے ہین
جہان اُن لوگون نے پہاڑون کو کھود کھود کر اور سنگلاخ چٹانون کو کاٹ کاٹ کر
اپنی قوت اور دستکاری کے عجیب وغریب نمونہ دکھائے ہین۔ اس مقام کی نسبت
طرح طرح کے خیالات عوام مین مشہور ہین۔ اور کہا جاتا ہے کہ خدا نے اُن کے کبر و نخوت
اور کفر و بت پرستی کی پاداش مین سارے شہر کو اُلٹ دیا۔ اور ایسا عذاب الٰہی نازل
ہوا کہ کوئی جان بر نہ ہو سکا۔ یہ تو اصلیت ہے۔ مگر لوگون نے انھین باتون پر ایسے
ایسے قصہ تصنیف کیے ہین کہ ان پہاڑون مین جو شخص گزرتا ہے اُس کے دل پر ایک
ہیبت طاری ہو جاتی ہے + اور جب تک باہر نہ نکل جائے دل کی یہ حالت رہتی ہے
کہ گویا ہزارہا دیو و جن پیچھے دوڑتے چلے آتے ہین۔

+ غزوۂ عسرۃ یعنی جنگ تبوک کے موقع پر جناب سرور کائنات علیہ الصلٰوۃ بھی اس
مقام سے گزرے تھے۔ آپ نے تمام صحابہ
پانی پینے کی ممانعت کر دی حتی کہ جن لوگون [illegible] کو
وہ آٹا بھی پھینک دینا پڑا۔

عمارت اعرج کے قصر کو ہر چہار طرف سے پہاڑ اس قدر گھیرے ہوئے ہین کہ سوا ایک جانب کے اور کسی طرف سے ایسا راستہ نہین کہ اونٹون کے قافلے یا شہسوارون کے لشکر اندر آسکین - ہان پا پیادہ آنے والے صحرائیون اور سیاحون کے لیے پہاڑیون کی دراڑون اور گھاٹیون مین سے ہو کے کئی راستے آئے ہین جو اس وقت ابتدائی روز کی روشنی مین پہاڑون کی غیر مستقیم وضع سطح نشیب و فراز مین لہراتے ہوے بہت خوبصورت نظر آتے ہین -

محل کے مشرق طرف کی کھڑکی کھلی ہوئی ہے اور اُس مین ایک نہایت ہی حسین و نازنین لڑکی کھڑی وقت کی دلچسپیون کو مزہ لے لے دیکھ رہی ہے - آفتاب کی کرنین جو عین اُس کے چہرے کے سامنے سے چھنک رہی ہین اُس کے چہرے کو چمکاتی - اُس کی کالی کالی زلفون کو سنہرا بناتی - اور اُس کی آنکھون مین چکاچوندھ پیدا کرتی ہین - اسی آفتاب کی گستاخیون سے اس نازک بدن لڑکی کے گال تمتما اُٹھے ہین - بھوین سمٹ گئی ہین - اور پیشانی پر شکنین ہین - مگر سہانا سمان ایسا دلفریب ہے کہ یہ عیش پرست لڑکی تکلیف اُٹھاتی ہے مگر کھڑکی کے پاس سے نہین ہٹتی - عربی افق کے پرانے عناصر باشندے یعنی ابابیلین اور مردار خوار طیور اپنے قلہ ہائے کوہ کے آشیانون سے نکل نکل کے اُڑ رہے ہین - اور اس وقت کی خوشگوار ہوا کے جھونکون کے ساتھ پلٹے کھا کھا کے روشنی اور سایہ کے تغیرات سے اپنے پرون پر دھوپ چھان کا تماشا دکھا رہے ہین - اور وہ پری جمال لڑکی اُن کی خوش فعلیون کو دیکھ دیکھ کے آپ ہی آپ مسکرا رہی ہے -

اس دلفریب لڑکی کا رنگ خوب کھلتا ہوا گندم گون ہے - گول چہرہ - چوڑی اور کشادہ پیشانی - باریک اور نہایت ہی خوبصورتی سے خم کھائی ہوئی بھوین - مستانہ اور بڑی بڑی غزالان دشت کی سی آنکھین - جن مین قدرت نے گویا خود ہی سرمہ لگا دیا ہے - اور اُن پر لمبی اور نکیلی پلکون کا ایک شرم کی ادا سے جھکا رہنا - مدوّر اور سانچے مین ڈھلی ہوئی ناک اور اُس کے نیچے نہ بہت چوڑے اور نہ بہت پتلے سرخ ہونٹون کا قدرتی اور پیدائشی تبسم - ہنستے وقت خوبصورت اور پیارے چھوٹے دہانے کے اندر سے بجلی کی طرح دانتون کا چمک جانا - گالون سے عنفوان شباب کے

چراغ کا لُو دینا۔ اُبھرا ہوا سینہ۔ بھرے بھرے دست و بازو۔ پتلی کمر۔ اور بوٹا سا
قد۔ سب ایسی چیزین ہین کہ ممکن نہین کوئی ایک نگاہ دیکھے اور دیکھتا نہ رہ جائے۔
صورت تو قدرت نے اچھی دی ہی ہے۔ مگر ملکی وضع جس مین سادگی اور تکلف بناؤ اور
بگاڑ سب ہی کچھ ملے ہوئے ہین۔ اُس کے سڈول جسم اور پیاری صورت پر کچھ ایسی عجب
سی جب اور پھبتی ہی سے تعلق رکھتا ہے۔ آدھے بالون سے تو چھوٹی چھوٹی چوٹیان
گوندھ کے چندیا پر ایک خوبصورت جوڑا بنایا گیا ہے جس پر اس وقت کل شام کے
مرجھائے ہوئے پھول پتیون سمیت لپٹے ہوئے ہین۔ اور آدھے بال تین حصون
مین بانٹ کے پیٹھ پر اور ادھر ادھر کاکلون کی طرح کمر تک لٹکے ہوئے ہین۔ ایک
نہایت ہی نازک گلابی رنگ کے ریشمی کپڑے کا کُرتہ گلے مین ہے اور کمر کے نیچے تک
لٹکا ہوا ہے جس کے نیچے نیلے شگفتہ رنگ کے اطلس کی ریشمی اور زرتار ازار ہے۔
سر پر ایک زرد رنگ کا رومال پڑا ہوا ہے مگر اس قدر پیچھے ہٹا ہے کہ پیشانی کے بال
کھلے ہین۔ جن مین ایک بڑا ہیرا اٹکا ہے۔ اور اس وقت آفتاب کی روشنی مین ایک
روشن تارے کی شعاعین دے رہا ہے۔ بازؤن پر بازوبند اور گلے مین مونگے
اور موتیون کے ہار پڑے ہین۔ نازک اور گول کلائی مین سونے کے کنگن ہین
جو نہایت بھدے پن سے مرصع کیے گئے ہین۔ اور پتلی پتلی حنائی انگلیون مین
انگوٹھیان ہین۔

آفتاب کی حدت زیادہ ہوگئی۔ مگر یہ حوروش لڑکی اب تک اُسی طرح ہر طرف
نظر دوڑا رہی ہے۔ اور دیکھو اب اُس نے اپنا نازک اور گورا ہاتھ دھوپ سے
بچانے کیلیے آنکھون پر رکھ لیا اور اُس ذوق وشوق سے قدرت کے سادے
منظر کا مطالعہ نہین کر رہی ہے بلکہ کسی خاص چیز کی طرف ایک حیرت و اضطراب سے
متوجہ ہے۔

غالباً ناظرین سمجھ گئے ہونگے [illegible]
حسن وجمال کا شہرہ دور دور [illegible]
سوق عکاظ مین غزل خوانی [illegible]
دیر ہو گئی تھی کہ خولہ آ گئی۔ ا [illegible]

دھوپ میں کھڑی جل رہی ہیں؟"

حلیمہ۔ "ہاں۔ صبح کا سہانا سماں کچھ ایسا اچھا معلوم ہوا کہ یہاں آ کے کھڑی ہو گئی"

خولہ۔ "اور تو اب بس کیجیے۔ یہ پھول سے گال دھوپ میں کمھلائے جاتے ہیں۔ مارے پسینہ پسینہ ہو رہی ہیں"

حلیمہ۔ "خیر چلتی ہوں۔ خولہ۔ تم جانتی ہو یہ کون سوار ہے جو (ہاتھ سے اشارہ کر کے) وہ دیکھو اس گھاٹی سے نکل کے اُدھر کو جا رہا ہے؟ ادھر تو سواروں کے آنے جانے کا راستہ ہی نہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ صبح سے اس وقت تک یہ کیوں ادھر سے اُدھر پھر رہا ہے۔ ایک گھاٹی سے نکلتا ہے اور دوسری میں جاتا ہے"

خولہ "کوئی ہو گا بھی۔ فوج کے سوار اکثر پھرتے ہی رہتے ہیں"

حلیمہ۔ "نہیں۔ میں نے آج تک کبھی کسی سوار کو ادھر آتے نہیں دیکھا۔ بالکل نئی بات ہے"

یہ سن کے خولہ نے کہا "دیکھوں تو کون ہے؟" اور حلیمہ کے برابر سے سر نکال کے کھڑکی میں جھانکا۔ اور اس سوار کی صورت دیکھتے ہی گھبرا کے سر اندر کر لیا۔ یہ عمر بن لبیبہ تھا۔ اپنی معشوقہ حلیمہ کے جمال جہاں آرا کا ایک جلوہ دیکھ پانے کے شوق میں کئی روز سے ہر صبح و شام شاہی محل کے گرد چکر لگایا کرتا تھا۔ اور آج اپنے مقصد میں کامیاب ہو کے شاہی خوف سے اتنی جرأت تو کیونکر کرتا کہ دو گھڑی سامنے ٹھہر کے معشوقہ کی صورت کو جی بھر کے دیکھے مگر ہاں سامنے سے غائب بھی نہ ہوتا اور ادھر ادھر چکر لگاتا پھرتا تھا۔ اور جب موقع ملتا گویا بے توجہی سے ایک نگاہ ادھر بھی ڈال دیتا۔ لیکن یہ حال کوئی اُسی سے پوچھے کہ اس ٹھہر ٹھہر کے ایک نظر دیکھ لینے کا اُس کے دل پر کیا اثر ہوتا تھا۔ عمر کی صورت دیکھتے ہی خولہ ایک سناٹے میں آ گئی۔ اور شاہزادی حلیمہ کے پیچھے خاموش کھڑی ہو گئی۔ حلیمہ نے پلٹ کے اُس کی بدحواسی کو دیکھا اور متحیر ہو کے پوچھنے لگی "خولہ کیا تم اس شخص کو جانتی ہو؟"

خولہ دل میں سمجھ گئی کہ میری بدحواسی کھل گئی۔ اب چھپانا بیکار ہے۔ اس خیال سے اُس نے اپنی شرارت کی تدبیر کا پہلو بدل کے کہا "ہاں شاہزادی جانتی ہوں۔ اور خوب جانتی ہوں"

یہ جواب پا کے حلیمہ نے خولہ کے چہرے کو ایک متجسس نگاہ سے گھور کے دیکھا اور پوچھا "تم نے اسے کیونکر جانا؟ اور کہاں دیکھا؟"

خولہ۔ (ہاتھ جوڑ کے اور ادب سے سر جھکا کے) "شاہزادی یہ میرے وطن ہی کا رہنے والا ہے صحرائے عرب میں میرے قبیلہ کے ساتھ ساتھ یہ بھی بہت دنوں تک منزلیں اور منہل[^1] (گھاٹ) بدلتا رہا ہے"

حلیمہ۔ "ایسا ہے تو تمہیں اس کو دیکھ کے خوش ہونا چاہیے نہ کہ ایسی بدحواسی!"

خولہ۔ "سچ کہوں شاہزادی! میں کسی کی شکایت نہیں کرتی مگر یہ شخص ایسا بدمعاش اور بدذات ہے کہ اس کی صورت دیکھتے ہی میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دل بانسوں اچھلنے لگتا ہے۔ اور ہوش و حواس نہیں بجا رہتے"

حلیمہ۔ "بدمعاش!" یہ لفظ ایک نہایت تعجب کے لہجہ میں زبان سے نکلا۔ اور اس نے [illegible] طرف دیکھا کہ اس نوجوان سوار کے چہرے کو پھر غور سے دیکھے۔ مگر وہ سامنے [illegible] نے کھڑکی سے گردن نکالی اور اِدھر اُدھر دیکھا۔ محل کے جنوبی کونے پر اُس کی صورت نظر آئی مگر محل کی دیوار سے اس قدر ملا ہوا تھا کہ حلیمہ کو اُس کے دیکھنے کے لیے کمر تک کھڑکی سے باہر نکل کے بہت جھکنا پڑا۔ وہ جھکی ہوئی دیکھ ہی رہی تھی کہ ہمارے نوعمر سوار عمر نے واپس آنے کے لیے گھوڑے کو موڑا اور یکایک حلیمہ کی اُس کی چار آنکھیں ہو گئیں۔ اُس کی نظر نے گدگدی کا سا یا خدا جانے کس قسم کا مضطربانہ اثر حلیمہ کے دل پر پیدا کیا کہ اُس نے گھبرا کے نہایت ہی گھبراہٹ سے سر کھڑکی کے اندر کھینچ لیا۔ مگر اس اضطراب میں زرتار خمار سر پر سے کھسکنے کے سبب گر پڑی۔ بدحواسی میں دونوں طرف کی کاکلیں سینہ اور شانے پر بکھر گئیں۔ چہرہ پسینہ پسینہ ہو گیا۔ اور آفتاب کی شعاعوں میں جس طرح پہلے اُس کے

[^1]: قبائل عرب اپنے ریگزاروں میں ہمیشہ چلتے پھرتے رہتے تھے۔ جن مقامات میں در حالت سفر فرد [illegible] ہوتا اور زیادہ قیام کا ارادہ کر[illegible] کیا جا سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہمارے [illegible]